سیّد عبداللہ شاہ غازی اور حاجی تُرابی
تاریخ کی روشنی میں

پروفیسر سکندر علی چنا

سندھ میں دو مزاراتِ جتنے زیادہ مشہور ہیں، اتنا ہی تاریخی طور پر مشکوک اور مشتبہ ہیں۔ ان میں سے ایک کراچی کلفٹن والے سیّد عبداللہ شاہ غازی ہیں اور دوسرے ضلع ٹھٹھہ کے ایک شہر گجو سے دو میل دور ایک گاؤں کھی والے حاجی تُراب یا تُرابی ہیں۔

عبداللہ شاہ غازی کو حضرت امام حسنؓ کے پڑپوتے محمد الارقط المعروف بہ نفس زکیہ کے بیٹے عبداللہ الاشتر سے خلط ملط کر کے کہا جاتا ہے کہ یہ کلفٹن والے عبداللہ شاہ غازی ہی عبداللہ الاشتر ہیں۔ اسی طرح حاجی تُرابی کو دوسری صدی ہجری کے ایک مجاہد اور محدث تابعی ربیع بن صبیح سے ملا کر کہا جاتا ہے کہ یہ کھی والے حاجی تُرابی ہی ربیع بن صبیح ہیں۔

یہ مضمون، دوسری صدی ہجری سے تعلق رکھنے والی ان دونوں شخصیات کے

بارے میں مروج اور مفروضوں پر مبنی قصوں اور روایتوں کی تحقیق اور اصل حقیقت کو ظاہر کرنے کے لیے تاریخ کی روشنی میں لکھا گیا ہے۔

عبداللہ شاہ غازی کو عبداللہ الاشتر بنانے کے لیے مواد کی اشاعت

گل حسن کلمتی، کراچی کی تاریخ کے ایک مستند مؤرخ ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ کراچی کے قدیم باشندے ہیں۔ ان کے آباؤ اجداد اور وہ خود کراچی کے مختلف ادوار کا گہرا علم رکھتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اُنہوں نے اس تاریخی ورثے کو ایک ضخیم کتاب کی صورت میں بھی محفوظ کر دیا ہے۔ کراچی پر ان سے پہلے بھی ایک آدھ کتاب لکھی گئی ہے لیکن وہ مستند نہیں ہے۔ گل حسن کلمتی کی کتاب ''كراچي: سند جي مارني''۔ (شائع کردہ: کاچھو پبلی کیشن، کراچی، ۲۰۰۷ء، صفحات ۶۴۰) ایک مستند کتاب ہے۔ اس کتاب میں کراچی کی ہر ایک چیز کے بارے میں مستند معلومات دی گئی ہیں۔ لیکن عبداللہ شاہ غازی کے بارے میں صرف یہ بتایا گیا ہے کہ یہ کراچی کلفٹن پر ایک پیر کا مزار ہے۔ (صفحہ ۵۰۵)

اس کے علاوہ کراچی کے ساحلوں کی تاریخ کا ایک سلسلہ، روزنامہ کاوش حیدر آباد کے سنڈے ایڈیشن میں گل حسن کلمتی صاحب نے لکھنا شروع کیا تھا۔ اس سلسلے کی قسط نمبر 20، 17 نومبر 2013ء صفحہ نمبر 10 پر لکھا ہے: ''سیّد عبداللہ شاہ غازی کے بارے میں مکمل معلومات موجود نہیں ہیں کہ یہ کون ہیں؟ اور کہاں سے اور کب آئے؟ عبداللہ شاہ غازی کے بارے میں مروجہ باتوں کو کئی محققین ردّ کرتے ہیں۔'' پھر مضمون کے آخر میں لکھتے ہیں کہ: ''سمندر کے کنارے پر ہونے کی وجہ سے، یہ دُرگاہ بھی ماضی میں ماہی گیروں کے حوالے تھی اور وہ یہاں میلے منعقد کرتے تھے۔''[۱]

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب کراچی کے قدیم باشندوں کو ہی معلوم نہیں ہے کہ یہ کلفٹن والے عبداللہ شاہ غازی کون ہیں اور ان کے بارے میں کوئی مستند تاریخی مواد بھی موجود نہیں ہے تو پھر ان کو عبداللہ شاہ غازی سے عبداللہ الاشتر کس نے بنایا؟

اس سلسلے میں سب سے پہلا مضمون، مولوی سیّد محمد عون نقوی صاحب کا تھا جو مورخہ 15 جون 1994ء کے روزنامہ جنگ کراچی کے بدھ ایڈیشن میں شائع ہوا تھا۔[۲] اس کے بعد دوسرا مضمون ایک کتابچے کی شکل میں سیّد محمد جمال الدین کاظمی صاحب کا ''گل گلستانِ اہلِ بیت'' کے نام سے اکتوبر 1994ء کو شائع ہوا۔[۳] تیسرا مضمون کسی فاروق عادل صاحب کا ہفتہ روزہ ''تکبیر'' کراچی کے شمارہ نمبر 17 مورخہ 27 اپریل 1995ء میں شائع ہوا۔ جس پر اسلامی تاریخ وتمدن کے ایک ماہر پروفیسر ڈاکٹر سیّد رضوان علی ندوی صاحب نے اپنا تنقیدی مضمون لکھا جو مئی 1995ء میں ہفت روزہ تکبیر میں شائع ہوا اور بعد میں اُن کے دیگر تاریخی، دینی، تنقیدی، علمی و تاثراتی مقالات و مضامین کے مجموعے ''تحقیقات و تاثرات'' شائع کردہ ادارۂ علم وفن، کراچی 2000ء کے صفحات نمبر 197 تا 203 پر شائع ہوا۔

ڈاکٹر ندوی نے مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر ثابت کیا ہے کہ عبداللہ شاہ غازی عبداللہ الاشتر نہیں ہیں:

(۱) ''حضرت علیؓ کی پانچویں پشت میں کسی کا نام عبداللہ شاہ غازی تاریخ میں مذکور نہیں ہے۔ (۲) کسی عربی تاریخ میں ان عبداللہ الاشتر کی سمندر کے کنارے تدفین کا ذکر نہیں۔ (۳) برصغیر کے ایک مایۂ ناز مؤرخ مولانا سیّد عبدالحیٔ حسنی (مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی کے والد) نے جو خود انہی حضرت عبداللہ الاشتر کی اولاد میں سے ہیں، اپنی ضخیم عربی تاریخ ''نزہتہ الخواطر'' (جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 28-26) میں نہ تو کہیں ان کو عبداللہ شاہ غازی کے نام سے یاد کیا ہے اور نہ یہ لکھا ہے کہ عبداللہ الاشتر فرزند محمد نفس الزکیہ اپنی شہادت کے بعد ساحلِ سمندر پر دفن کیے گئے بلکہ اسی کو درست مانا ہے جو قدیم عربی تواریخ میں ہے کہ اُن کی لاش کو دریائے سندھ میں بہا دیا گیا۔ (۴) کئی عرب مؤرخ اور جغرافیہ نویس جیسے مسعودی، اصطخری، ابن حوقل وغیرہ سندھ آئے اور یہاں کے حالات اور

شہروں کا تفصیلی ذکر کیا، لیکن کسی نے یہ نہیں لکھا کہ یہاں عبداللہ الاشتر کی قبر بھی ہے۔ یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ اگر یہاں عبداللہ الاشتر کی قبر مرجع خلائق ہوتی تو ایسی اہم عرب شخصیت کا وہ ذکر نہ کرتے، اسی لیے کلفٹن میں مدفون عبداللہ شاہ غازی بعد کے کوئی اور صاحب ہیں، ان کو محمد النفس الزکیہ کا فرزند کہنا تاریخ کے ساتھ ناانصافی ہے۔'' (صفحہ نمبر 197-200)

پھر صفحہ نمبر 201 پر لکھتے ہیں کہ: ''دیبُل (موجودہ کھنڈرات بھنبھور) میں جو سب سے پہلے عرب غازی شہید ہوئے وہ عبیداللہ بن نبہان اور ان کے بعد بُدَیل بن طھفة البَجَلی تھے۔ حاشیہ پر لکھتے ہیں کہ'' یہ دونوں مجاہدین جو تابعی ہیں، آئے اور شہید ہوئے۔'' پھر اصل مضمون میں لکھتے ہیں کہ: ''ان قبروں کا کوئی پتہ نہیں۔''---''ہو سکتا ہے کہ یہ دیبُل پر پہلا حملہ کرنے والے تابعی مجاہد عبید اللہ بن نبہان کی قبر ہو اور بعد کو اُن کو عبداللہ کر دیا گیا ہو۔''

پھر صفحہ 202 پر لکھتے ہیں کہ''ایک دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ عبداللہ بن عیاش تابعی کی قبر ہو کیونکہ امام ذہبی نے اپنی عظیم وضخیم کتاب ''تاریخ الاسلام و وفیات المشاہیر والاعلام'' میں ان کے ''ہند'' (یعنی سندھ) میں سن 48 ہجری میں شہید ہونے کا ذکر کیا ہے۔''(۵)

چوتھا مضمون محمد عثمان دموہی کی کراچی پر لکھی گئی کتاب ''کراچی تاریخ کے آئینے میں'' جو 1996ء میں شائع ہوئی کے صفحات 597 تا 601 پر شائع ہوا۔ جو کہ اصل میں پہلے مضمون نگار مولوی سیّد محمد عون نقوی کے مضمون کا بعینہٖ چربہ تھا۔ بلکہ تمام مضامین جو آج تک لکھے جا رہے ہیں وہ اصل میں اسی مولوی محمد عون نقوی کے مضمون کا چربہ اور نقل ہیں۔ جس میں مزید خود ساختہ اور جھوٹی روایتیں اور نمک مرچ لگا کر شائع کر دیا جاتا ہے۔ اخبارات، رسائل اور چینلز کو مروجہ قصے کہانیوں پر مبنی پاپولر مواد چاہیے لہٰذا وہ تحقیقی مواد کو شائع نہیں کرتے اور جھوٹ کو شائع کر کے سچ بنایا جا رہا ہے۔

حیرت تو تب ہوتی ہے جب حکومتِ سندھ کے محکمہ ثقافت کی طرف سے شائع شدہ کتاب موسوم بہ ''تاریخ اولیاء سندھ'' (منتخب) مصنفہ آفتاب ابڑو میں بھی اسی مروجہ روایتی قصے کو شائع کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں بھی سندھ کے اولیاء کے بارے میں حقیقت کے بجائے عقیدت پر مبنی مواد دیا گیا ہے۔ اس کتاب کے صفحات 166 تا 178 پر ''عبداللہ شاہ غازی'' کے عنوان سے جو مضمون ہے اس میں بھی وہی مولوی سیّد محمد عون نقوی والا مضمون دہرایا گیا ہے۔(۶)

عبداللہ الاشتر کون ہے؟

عبداللہ شاہ غازی کو عبداللہ الاشتر سے الگ اور ممتاز کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے عبداللہ الاشتر کے بارے میں معلومات دی جائیں۔

عبداللہ الاشتر، امام حسنؓ کے اعقاب یعنی اُن کے جانشینوں میں سے تھے یعنی حسنی سادات میں سے تھے۔ سادات کے ایک مشہور و معروف شجرۂ نسب ''عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب'' مؤلفتہ جمال الدین احمد بن علی الحسینی المعروف با بن عنبہ (748-828ھ) سے عبداللہ الاشتر کا شجرہ پیش کیا جاتا ہے:

حضرت علیؓ (شہادت 40 ہجری) کے بڑے بیٹے امام حسن (03-05ھ) تھے۔ امام حسنؓ کے بڑے بیٹے حسن مثنیٰ (وفات ۹۷ھ) تھے۔ حسن مثنیٰ کے بیٹے عبداللہ محض تھے۔ ان کے بیٹے محمد تھے (مقتول 145ھ) جن کو ''نفس زکیہ'' (پاک نفس) اور ''مہدی'' بھی کہا جاتا ہے۔ ان کے بیٹے کا نام ''عبداللہ الاشتر'' تھا۔(۷)

تاریخ طبری، حصہ ہفتم، عباسی دورِ حکومت ۱۳۲ تا ۱۷۵ھ کے واقعات کے تحت لکھا ہے کہ ''محمد (نفس زکیہ) نے (خلیفہ ابوجعفر منصور کے خلاف) خروج (بغاوت) کرنے کے بعد اپنے بیٹے عبداللہ الاشتر کو چند زیدیوں کے ساتھ بصرہ بھیجا اور اُسے ہدایت کی کہ وہاں سے نہایت عمدہ تیز رو گھوڑے خرید کے عمرو بن حفص (گورنر سندھ) کے پاس

سندھ چلے جاؤ۔ اس شخص (عمرو بن حفص) کے پاس بھیجنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ بھی (خلیفہ ابو جعفر) منصور کے اُن سپہ سالاروں میں (سے) تھا جنہوں نے محمد (نفس زکیہ) کے لیے بیعت کی تھی اور نیز اس لیے کہ یہ آل ابی طالب کی طرف رجحان قلبی رکھتا تھا۔"(۸) غرضیکہ عبداللہ الاشتر اپنے والد کی ہدایت کے مطابق بصرہ سے سندھ میں، گورنر سندھ، عمرو بن حفص کے پاس پہنچے۔ عمرو بن حفص نے عبداللہ الاشتر کو سندھ میں امان دی۔(۹) عمرو بن حفص نے عبداللہ الاشتر کی بیعت کی اور اپنے خاص سرداروں اور سربرآوردہ لوگوں کو (بھی) بیعت کی دعوت دی جو انہوں نے قبول کر لی اور اُن سے بیعت کر لی اتنے میں بصرے میں ایک تباہ کن جہاز آتا ہے جس میں عمرو بن حفص کی بیوی خلیدہ بنت المعارک کا خط لے کر اُس کا ملازم آتا ہے جس میں اُسے یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ بصرے میں محمد (نفس زکیہ) قتل کر دیے گئے ہیں۔ جس پر عمرو بن حفص، عبداللہ الاشتر کو، اس سے مشورہ کے بعد، سندھ کے ایک بڑے رئیس جو باوجود مشرک ہونے کے رسول اللہ ﷺ کی حد درجہ تعظیم و تکریم کرتا ہے اور اپنے عہد کا پکا ہے، کے پاس پناہ کے لیے بھیج دیتا ہے جہاں اُس کے پاس چار سو زیدی مدبر، بہادر اور علماء جمع ہوتے ہیں اور عبداللہ وہاں ایک شہزادے کی طرح زندگی گزارتا ہے۔

محمد (نفس زکیہ) اور اس کے بھائی ابراہیم کے مارے جانے کے بعد خلیفہ ابوجعفر منصور کو یہ اطلاع ملتی ہے کہ محمد (نفس زکیہ) کا بیٹا عبداللہ الاشتر سندھ میں ہے۔ لہٰذا منصور، گورنر سندھ، عمرو بن حفص کو سندھ سے ہٹا کر، افریقہ کا گورنر (والی) مقرر کر دیتا ہے اور اُس کی جگہ سندھ میں ہشام بن عمرو تغلبی کو (والی) گورنر مقرر کر کے عبداللہ الاشتر کو زندہ یا مردہ پکڑ کر خلیفہ کے پاس روانہ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ہشام بن عمرو، اس سلسلے میں سستی کرتا ہے تو خلیفہ ابوجعفر منصور اُس کو جلد از جلد کارروائی کرنے کے خطوط لکھتا ہے۔ ہشام جوابی خطوط میں خلیفہ کو اطمینان دلاتا ہے کہ جس مشرک رئیس کی پناہ میں عبداللہ

الاشتر ہے، اُس سے، اس معاملے میں پیش رفت جاری ہے۔

اسی اثناء میں سندھ کے ایک علاقے میں کوئی شخص شورش برپا کر دیتا ہے تو ہشام اس کو ختم کرنے کے لیے اپنے بھائی سفیح بن عمرو کو ان باغیوں کی سرکوبی کے لیے لشکر دے کر بھیجتا ہے۔ اُسی راستے پر سفیح لشکر لے کر جا رہا ہوتا ہے۔ جہاں عبداللہ الاشتر پناہ گزیں تھا کہ اُسے ایک بلند غبار نظر آتا ہے جو کہ اصل میں عبداللہ الاشتر کی سواری کا ہوتا ہے مگر سفیح یہ سمجھتا ہے کہ دشمن حملہ کرنے کے لیے جا رہا ہے لیکن جب اُسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبداللہ الاشتر سیر کرنے کے لیے دریائے سندھ کے کنارے کنارے جا رہا ہے تو وہ عبداللہ الاشتر کو گرفتار کرنا چاہتا ہے۔ اس وقت عبداللہ الاشتر کے ساتھ دس آدمی تھے۔ سفیح، عبداللہ الاشتر اور اس کے دس ساتھیوں پر اپنی فوج سے حملہ کر دیتا ہے جس میں وہ بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے سارے کے سارے مارے جاتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اُس کے ساتھیوں نے اسے دریائے سندھ میں ڈال دیا۔"(۱۰)

اس کے بعد ہشام بن عمرو نے اُس رئیس کے خلاف جنگ کی جس کے پاس عبداللہ الاشتر پناہ گزیں تھا۔ عبداللہ نے وہاں اپنے قیام کے دوران چند کنیزیں رکھی تھیں، اُن میں سے ایک کنیز سے اُس کو ایک بیٹا ہوا جو بعد میں محمد بن عبداللہ الاشتر کے نام سے مشہور ہوا۔ ہشام بن عمرو نے اُس رئیس کی ریاست پر حملہ کر کے اُس پر قبضہ کر لیا اور اس رئیس کو قتل کر دیا اور محمد بن عبداللہ الاشتر کو اُس کی ماں سمیت خلیفہ ابوجعفر منصور کے پاس بھیج دیا۔ منصور نے اُس کو مدینے بھجوا دیا اور ایک خط والیِ مدینہ کو لکھا کہ لڑکا محمد عبداللہ الاشتر صحیح النسب ہے، لہٰذا تم آل ابی طالب کو جمع کر کے یہ خط پڑھ کر سنانا اور ان دونوں ماں بیٹے کو اُن کے حوالے کر دینا۔"[۱۱]

یہ ہے وہ سارا ماحول جو کہ عالمِ اسلام کی پہلی اور مستند تاریخ، تاریخ طبری نے دیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عبداللہ الاشتر سندھ میں ہی کہیں دریا کے کنارے مارے گئے۔

اُس دور میں یعنی ۱۵۱ ہجری میں، سندھ کا پایۂ تخت منصورہ تھا۔ جسے فاتح سندھ محمد بن قاسم کے بیٹے عمرو بن محمد بن قاسم ثقفی کے دورِ نائب امارت میں ۱۱۶ ہجری میں تعمیر کرنا شروع کیا گیا تھا۔ جب سندھ کا گورنر یا والی ہشام بن عمرو تغلبی تھا جس کے دور میں عبداللہ الاشتر دریائے سندھ کے کنارے مارا گیا یعنی ۱۵۱ ہجری کا سن، تو اس وقت منصورہ اپنے عروج پر تھا۔ اور گورنر ہاؤس منصورہ ہی میں واقع تھا۔ عبداللہ الاشتر جب عمرو بن حفص کے دور میں بصرہ سے سندھ آیا تھا تو وہ منصورہ ہی آیا تھا جہاں گورنر عمرو بن حفص رہتا تھا۔

شہر منصورہ، دریائے سندھ کے کنارے واقع تھا، لہٰذا عبداللہ الاشتر کے قتل ہونے اور دریائے سندھ میں پھینکے جانے سے زیادہ سے زیادہ اُس کی لاش اُسی علاقے کی پسگر دائی میں ملنی چاہیے کیونکہ ۱۵۱ ہجری میں دریائے سندھ، آج کی طرح باقاعدہ بیراجوں اور نہروں کی صورت میں نہیں بہتا تھا بلکہ وہ آزاد تھا۔ لہٰذا دریائے سندھ نے کئی مرتبہ اپنے رُخ ایک راستے سے دوسرے راستے کی طرف موڑے ہیں جس سے دریا کے کنارے کئی ایک شہر ویران ہوئے تو دوسرے آباد ہوئے۔ منصورہ بھی دریائے سندھ کے رُخ تبدیل کرنے سے ویران ہوا۔[۱۲] لیکن ایک خیال یہ بھی ہے کہ منصورہ زلزلے کی وجہ سے ویران ہوا۔[۱۳]

آج بھی منصورہ کے آثار دریائے سندھ کی ایک برانچ جمڑاؤ نہر کے بائیں کنارے موجود ہیں۔ اس کے علاوہ دریائے سندھ کے رُخ تبدیل کرنے کے شواہد علاقے میں موجود جھیلوں کا موجود ہونا ہے۔ آج بھی شہداد پور، ٹنڈو آدم اور اس کی پس گردائی میں بہت سی ایسی جھیلیں موجود ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ دریائے سندھ کا پرانا راستہ تبدیل کرنے سے پیدا ہوئیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ منصورہ کے نواحی علاقے میں دریائے سندھ کے کنارے قتل ہونے اور دریائے سندھ میں اُس کی نعش ڈالنے سے شہداد پور (منصورہ، ضلع

سانگھڑ میں شہداد پور سے مشرق کی طرف سانگھڑ روڈ پر ۱۰-۱۲ کلومیٹر کی مسافت پر دریائے سندھ کی ایک نہر جمڑاؤ نہر سے ایک کلومیٹر مشرق کی سمت واقع ہے) کے نواحی علاقے سے بہتے بہتے کراچی کلفٹن کیسے پہنچی؟ لہٰذا قیاس کہتا ہے کہ عبداللہ الاشتر کی تکفین و تدفین ضلع سانگھڑ میں منصورہ ہی کے کہیں اردگرد ہونی چاہیے نہ کہ کراچی کلفٹن پر۔ لہٰذا کراچی کلفٹن والے عبداللہ شاہ غازی، عبداللہ الاشتر نہیں ہیں۔ اس پر مزید تحقیق ہونی چاہیے۔ محکمۂ ثقافت سندھ کی طرف سے شائع شدہ کتاب ''تاریخ اولیائے سندھ'' (منتخب) مصنف آفتاب ابڑو میں ہے کہ ''سفیح بن عمرو دریائے سندھ کے کنارے غالبًا ساکروندی، جو دریائے سندھ سے نکل کر موجودہ تعلقہ (میر پور) ساکرو کے وسیع اراضی کو آباد کرتے ہوئے سمندر میں جا گرتی تھی۔'' [۱۴] یہ بغیر کسی تاریخی حوالے سے لکھا گیا ہے کہ عبداللہ الاشتر اور سفیح بن عمرو کی لڑائی ساکروندی کے مقام پر ہوئی تھی۔ اگر بفرضِ محال یہ مان بھی لیا جائے تو بھی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ تعلقہ میر پور ساکرو جو کہ کراچی کلفٹن سے ۱۵۰ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے یہ نعش وہاں سے کراچی کیسے پہنچی؟

ڈاکٹر نبی بخش بلوچ نے فتح نامۂ سندھ عرف چچ نامہ میں لکھا ہے کہ ''کلفٹن والا موجودہ مزار عبداللہ شاہ بخاری سے منسوب ہے اور سندھ میں بخاری سیدوں کی آمد کا زمانہ بہت بعد کا ہے۔'' [۱۵] برصغیر ہند و پاک کے تمام بخاری سادات سیّد شیر شاہ جلال سرخ بخاری کی اولاد ہیں جو کہ اُچ شریف ملتان میں ۶۳۲ ہجری میں آئے تھے۔'' [۱۶] اگر عبداللہ شاہ غازی کلفٹن والے بخاری سادات میں سے ہیں پھر تو وہ کسی صورت عبداللہ الاشتر نہیں ہو سکتے، کیونکہ عبداللہ الاشتر حسنی سادات میں سے ہیں۔ جبکہ بخاری حسینی سادات میں سے ہیں۔

محققین نے کچھ اور آراء بھی دی ہیں لیکن وہ بھی کسی طرح صحیح نہیں لگتیں۔ ''مثلاً ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوتہ صاحب کا خیال تھا کہ بقول بُلاذری (فتوح البلدان طبع یورپ،

ص: ۳۵-۳۶) یہ مزار عبیداللہ بن نبھان کا ہے جسے حجاج بن یوسف نے بُدیل بن طھفة البجلی سے پہلے دیبل پر چڑھائی کرنے کے لیے روانہ کیا تھا۔ (دیکھیے فتح نامہ، فارسی ایڈیشن، ص: ۲۵۵)۔"[۱۷] اس پر ڈاکٹر بلوچ تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ"یہ دلیل درحقیقت کچھ اتنی وزنی نہیں ہے کیونکہ خود بُلاذری کی تحریر کے مطابق تقریباً خود اس کے زمانے میں (۲۲۹ھ-۲۳۵ھ) دیبل میں بُدیل بن طھفة کی قبر موجود تھی۔ (فتوح، ص: ۴۳۸) نہ کہ عبیداللہ بن نبھان کی۔"[۱۸] "لیکن بُدیل کی یہ قبر کہاں ہے آج کسی کو بھی معلوم نہیں ہے۔"[۱۹]

کتاب فتح نامہ سندھ عرف چچ نامہ کے اُردو ترجمے میں تشریحات و توضیحات کے تحت، دیبل کے محلِ وقوع کے بارے میں ڈاکٹر بلوچ صاحب نے کتاب کے صفحہ ۲۵۱ سے لے کر ۲۶۰ تک، دیبل کے بارے میں تاریخی معلومات اور دیبل کی ممکنہ جگہ کے بارے میں جغرافیہ دانوں اور محققین کی آراء دے کر اپنی رائے دیتے ہیں کہ"اس وقت تک کی تحقیقات کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ بھنبھور کے کھنڈرات کا دیبل ہونا زیادہ ممکن اور قرینِ قیاس ہے۔"[۲۰] پھر اپنے نظریے کی تائید میں دلائل دیتے ہیں اور ایک مرتبہ پھر اپنی رائے دہراتے ہوئے کہتے ہیں کہ: "محکمہ آثارِ قدیمہ کی طرف سے بھنبھور کے کھنڈرات کی جو کھدائی ہوئی ہے اور اُس میں سے جو چیزیں برآمد ہوئی ہیں وہ بھی اس نظریہ کی تائید کرتی ہیں کہ غالباً یہی دیبل کی قدیم بستی ہو۔"[۲۱] آخر میں کہتے ہیں کہ: "اسی وجہ سے موجودہ تحقیق کے مطابق بھنبھور کا دیبل ہونا زیادہ قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے۔"[۲۲]

بھنبھور کے قدیم آثار، کراچی سے ۴۰ میل (تقریباً ۶۵ کلومیٹر) مشرق کی طرف، کراچی، حیدر آباد نیشنل/ انڈس ہائی وے پر ضلع ٹھٹھہ میں واقع ہیں۔[۲۳] لہٰذا ڈاکٹر داؤد پوتہ یا اُس کے ہم خیال محققین کی یہ رائے بھی باطل قرار پاتی ہے کہ عبداللہ شاہ غازی اصل میں عبیداللہ بن نبھان ہیں یا ڈاکٹر رضوان علی ندوی کہ رائے بھی باطل قرار پاتی ہے

کہ یہ عبداللہ بن عیاش (شہادت ۴۸ھ) کی قبر ہو جس کو عبداللہ شاہ غازی بنا دیا گیا ہے۔[۲۴] کیونکہ موجودہ کلفٹن اور بھنبھور کے درمیاں ۷۰-۷۵ کلومیٹر کا فاصلہ ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ آدمی مقتول تو دیبل/بھنبھور میں ہو اور مدفون ایک غیر معروف جگہ اور یعنی ۷۰-۷۵ کلومیٹر دور دراز میں ہو جس کا کوئی سبب بھی نہ ہو یا بقول بُلاذری اگر عبیداللہ بن نبھان یا طھفتہ الجیلی تو دفن ہی دیبل میں ہوئے تھے تو پھر اُن کی قبریں کلفٹن میں کیسے آ گئیں؟ ویسے بھی یہ بات وثوق سے نہیں کی جا سکتی کہ ۴۸ ہجری میں شہید ہونے والا عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعۃ مخزومی یہاں ہی دفن ہوا ہو۔ کیونکہ علامہ شمسُ الدین ذھبی نے صرف اتنا لکھا ہے کہ ''حوادث سنت ثمان و اربعین'' (سن ۴۸ ہجری کے حوادث) اس کے تحت لکھتے ہیں کہ: ''وفیھا قتل بالھند عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعۃ المخزومیؒ'' ''اور اس میں (یعنی ۴۸ ہجری میں) ہند میں عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی قتل ہوئے۔''[۲۵] اب یہ ہند (سندھ) میں کہاں قتل ہوئے، کوئی پتہ نہیں۔ لہٰذا ڈاکٹر رضوان علی ندوی کا یہ احتمال بھی باطل قرار پاتا ہے کہ عبداللہ بن عیاش، عبداللہ شاہ غازی ہوں۔

متضاد روایتیں:

اس سے پہلے تاریخ طبری کے حوالے سے ہم لکھ آئے ہیں کہ طبری کی روایت کے مطابق عبداللہ الاشتر کو دریائے سندھ کے کنارے ایک ایسی جگہ قتل کیا گیا جہاں سے اس مشرک رئیس کا علاقہ سندھ کی سرحد سے ملتا تھا۔ اب یہ کون سی جگہ تھی اور یہ مشرک رئیس کون تھا، کس علاقہ کا تھا کسی تاریخ میں نہیں ملتا۔ اور اس پر مزید یہ کہ ''عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب'' میں دو ایسی روایتیں دی گئی ہیں جو کہ ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ عبداللہ الاشتر کے بارے میں عمدۃ الطالب کی پہلی روایت یہ ہے کہ **''وعقب محمد النفس الزکیة من ابنه ابی محمد عبدالله الاشتر الکابلی وحده. وکان قد هرب بعد قتل ابیه الی السند، فقتل بکابل فی جبل یقال له: علج، وحمل رأسه الی**

المنصور، فاخذه الحسن بن زید بن الحسن بن علی. فصعد به المنبر و جعل یشهره للناس.''[۲۶]''اور محمد نفس الزکیہ کے جانشین اُس کے ایک بیٹے ابو محمد عبداللہ الاشتر سے ہی ہوئے۔ وہ اپنے باپ کے قتل ہونے کے بعد سندھ کو بھاگ گیا تھا اور کابل میں ایک پہاڑ پر جس کو علج کہتے ہیں قتل ہوگیا تھا۔ اور اس کا سر، خلیفہ منصور کے پاس لے جایا گیا جسے حسن بن زید بن حسن بن علی نے لے لیا اور منبر پر چڑھ کر لوگوں کو دکھایا۔''

دوسری روایت میں ہے کہ''والعقب من محمد النفس الزکیة فی عبدالله الاشتر الکابلی لاغیر کما ذکرنا. ومنه فی محمد الکابلی بن عبدالله، مولده کابل، وانتقل عنها بعد قتل ابیه. وقال الشیخ ابو النصر البخاری: قتل عبدالله الاشتر بالسند، وحملت جاریته و صبی معها یقال له: محمد بعد قتله، وکتب ابوجعفر المنصور الیٰ المدینة بصحة نسبه. وقال: کتب الیٰ حفص بن عمر المعروف به هزار مرد امیر السند بذلک.''[۲۷]''اور جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ محمد نفس الزکیہ کے جانشین (اُس کے بیٹے) عبداللہ الاشتر سے ہی ہوئے، اور اُن میں سے عبداللہ الاشتر الکابلی کا بیٹا محمد الکابلی بن عبداللہ ہے، جو کہ کابل میں ہی پیدا ہوا اور اپنے باپ کے قتل کے بعد وہاں سے منتقل ہوا۔ اور شیخ ابونصر بخاری کہتا ہے کہ''عبداللہ الاشتر سندھ میں قتل کیا گیا اور اس کے قتل کے بعد باندی کو بچے کے ساتھ، جس کو محمد کہتے تھے، (ابوجعفر منصور کے پاس) لے جایا گیا جس نے مدینہ (کے والی کو خط) لکھا کہ یہ بچہ صحیح النسب ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ اسی طرح کا خط (والیِ سندھ) حفص بن عمر المعروف بہ ہزار مرد کی طرف سے بھی لکھا گیا تھا۔''

ان دونوں روایات میں تضاد یہ ہے کہ ایک میں کہا گیا ہے کہ عبداللہ الاشتر کابل میں ایک پہاڑ جس کو علج کہا جاتا تھا، وہاں قتل ہوا دوسری روایت میں کہا گیا ہے کہ وہ سندھ میں قتل ہوا لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ دونوں روایات میں یہ نہیں لکھا کہ قتل کے

بعد اُن کی نعش کو دریائے سندھ یا دریائے کابل میں بہا دیا گیا ہو۔

دوسرا اہم انکشاف یہ کیا گیا ہے کہ عبداللہ الاشتر کو اپنی باندی سے جو ایک بیٹا محمد کے نام سے پیدا ہوا تو اُس کا مقامِ پیدائش کابل بتایا ہے، اس لیے اس کے نام کے ساتھ الکابلی لکھا گیا ہے۔ بلکہ عبداللہ الاشتر کے نام کے ساتھ بھی کابلی لکھا گیا ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عبداللہ الاشتر سندھ سے اپنی گرفتاری کے خوف سے کابل چلا گیا تھا، جو کہ ہوسکتا ہے کہ اُس زمانے میں سندھ کے گورنر کی ہی قلمرو میں ہو یا اُس کے ماتحت ہو۔ سندھ اور کابل کے آپس کے قدیم تعلقات رہے ہیں۔ زیادہ تر سندھ اور برعظیم ہندوستان پر حملہ آور کابل سے ہی آئے ہیں یعنی سرزمین افغانستان سے اور وہ مشرک رئیس جس نے عبداللہ الاشتر کو پناہ دی وہ کابلی ہو۔ یعنی ریاست کابل کا کوئی رئیس ہو اور عبداللہ الاشتر نے وہاں جو چند کنیزیں یا باندیاں رکھی تھیں وہ کابلی ہی ہوں جن میں سے ایک باندی سے اُس کا بیٹا محمد الکابلی پیدا ہوا اور عبداللہ الاشتر کی نسل اُس ہی سے چلی۔

عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ایک مستند کتاب مانی جاتی ہے، لہٰذا یہ روایت وزنی لگتی ہے کہ عبداللہ الاشتر کابل میں علج نامی پہاڑ پر ہی قتل ہوئے۔ اب جبکہ عبداللہ الاشتر کابل (افغانستان) میں قتل ہوئے تو اُن کی قبر کلفٹن کراچی میں کیسے ہوسکتی ہے؟ لہٰذا کراچی میں کلفٹن پر جو شخص عبداللہ شاہ غازی کے نام سے مدفون ہے وہ عبداللہ الاشتر نہیں بلکہ کوئی اور غیر معروف شخص ہے جسے غلطی سے یا دیدہ و دانستہ عبداللہ الاشتر سے منسوب کر کے مشہور کر دیا گیا ہے۔ اس پر محققین اور مؤرخین کو مزید تحقیق کرنی چاہیے۔

حاجی ترابی یا شیخ ابوتراب:

عبداللہ شاہ غازی کے بعد دوسری شخصیت حاجی ترابی یا حاجی ابوتراب یا شیخ ابوتراب کی ہے۔ یہ قبر یا مزار کراچی سے ۵۰ میل (۷۵ کلومیٹر) دُور مشرق کی طرف، نیشنل/ انڈس ہائی وے پر ضلع ٹھٹھہ سے ۱۲ میل (۱۸ کلومیٹر) جنوب کی طرف ایک چھوٹے

سے شہر گجو سے دو میل دور ایک گاؤں بنام کھٹی میں واقع ہے، جن کے بارے میں مشہور کر دیا گیا ہے کہ یہ دوسری صدی ہجری کے تابعی ربیع بن صبیح البصری ہیں۔ حکومتِ سندھ کے محکمۂ ثقافت کی طرف سے شائع شدہ کتاب ''تاریخ اولیاء سندھ'' (منتخب) مرتبہ آفتاب ابڑو کے صفحہ ۲۱ پر لکھا ہے کہ ''شہید شیخ ابوتراب کا ذکر کسی تاریخ میں تفصیل سے نہیں ملتا۔'' [۲۸] مسئلہ یہ ہے کہ تفصیل کیسے معلوم ہو اگر آپ تحقیق ہی نہیں کریں گے۔ ربیع بن صبیح البصری پر اتنا مواد موجود ہے کہ ان پر پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے۔

شیخ ابوتراب پر سب سے پہلے مواد میر علی شیر قانع ٹھٹھوی (۱۱۴۰ھ-۱۲۰۳ھ) کی کتاب تحفۃ الکرام کے تیسرے حصے میں جس کا تعلق سندھ کی شخصیات سے ہے، اُس کے باب نمبر ۲۴ بعنوان: ''شہر ٹھٹھہ اور وہاں کے خاندان، بزرگ، علما اور شعراء'' میں ہے جس میں لکھا ہے کہ ''شیخ ابوتراب بیٹے ہیں شیخ محمد زاہد کے، وہ بیٹے ہیں شیخ عبدالمجید کے، وہ بیٹے ہیں قاضی قطب الدین کے، وہ بیٹا ہے علامہ قاضی محمود کا، جو کہ ہم عصر ہے مرزا عیسیٰ ترخان اور مرزا باقی ترخان کا۔ شیخ ابوتراب کا ایک بیٹا بھی تھا لیکن اُس کا نام اور احوال نہیں دیا ہے۔[۲۹] اس طرح باب چہارم بعنوان ''خاندانِ عباسیہ کے گورنروں کا طبقہ'' میں لکھا ہے کہ ''شیخ ابوتراب کے ہاتھوں ''ساکورہ''، تھرڑی کا قلعہ، بکار کا شہر اور مغربی سندھ کی کچھ اور بستیاں فتح ہوئیں۔ آپ کے مزار پر گنبد کی تعمیر کی تاریخ ۱۷۱ ہجری لکھی ہوئی ہے۔'' [۳۰] پھر باب نمبر ۲۵ میں جو کہ بعنوان ''شہر ٹھٹھہ کے اللہ والوں، آس پاس کے اولیاء، سالکین اور مجذوبین کا طبقہ'' کے تحت لکھتے ہیں کہ ''شیخ ابوتراب عرف حاجی ترابی اصل میں عباسیوں کا گورنر تھا اور سندھ کے کچھ مقامات کا حاکم/ (عملدار) تھا اور تبع تابعی مشہور ہے۔ وہ شہیدوں میں سے ہے۔'' [۳۱]

اس کے بعد جتنے بھی لکھنے والوں نے لکھا ہے، اُن کا بنیادی ماخذ یہی تحفۃ الکرام کا سندھی ترجمہ ہے۔ اس کے بعد خان بہادر پروفیسر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع (ستارۂ

پاکستان) (۱۶/اگست ۱۸۸۳ء-۱۳-۱۴/مارچ ۱۹۶۳ء) ۱۹۳۴ء میں سندھ کی تحقیق پر آئے اور مختلف تاریخی مقامات کو بذاتِ خود جا کر دیکھا اور مزاروں اور قبروں پر جو تاریخی کتبے اور تعلیقات لکھی ہوئی تھیں، ان کے کیمرہ سے فوٹو لینے کے ساتھ ساتھ کوئلے سے نقش بھی لیے جنہیں بعد میں اورینٹل کالج میگزین لاہور کے ۱۹۳۵ء/۲ میں شائع کر کے محفوظ کر دیا، جنہیں ۱۹۷۱ء میں اُن کے بیٹے احمد ربانی نے ''صنادید سندھ'' کے نام سے شائع کیا۔ اس کتاب ''صنادید سندھ'' میں صفحہ ۸ سے لے کر ۱۰ تک میں ڈاکٹر مولوی محمد شفیع صاحب نے بعنوان ''نواحِ ٹھٹھہ، خانقاہ بوترابی'' کے تحت، اپنے ٹھٹھے کے سفر، سفر کے دوران سندھ گزیٹر کے ص:۹۱ پر ''ایک بڑے شیخ نے جس کا نام ابوتراب تھا، بھکر کا اہم قلعہ فتح کیا، اور کئی بہادری کے کام کیے۔'' یہ دیکھ کر مولوی صاحب کا ''پھڑک اُٹھنا'' اور ٹھٹہ سے گجو اور پھر خانقاہ ابوتراب پہنچنا اور پھر مزار کے گنبد اور مزاروں کی تصویریں لینا، وہاں مشرقی دیوار میں ایک پرانے تعلیقی کتبے کا کوئلے سے نقش لینا اور اس افسوس کا اظہار کرنا کہ گزیٹر سندھ میں جو لکھا تھا کہ مزار پر ۱۷۱ ہجری کا کتبہ لگا ہوا ہے، وہ اب وہاں نہیں ہے۔

اورینٹل کالج میگزین سے سب سے پہلے سیّد حسام الدین راشدی صاحب نے لیا اور ان ہی غلطیوں کے ساتھ اپنی کتاب مکلی نامہ (سندھی) میں صفحہ ۱۰۶-۱۰۷ پر شائع کر دیا۔

۱۹۶۷ء میں مجلس ترقی ادب، لاہور نے مولوی محمد شفیع کے مقالات کی پانچ جلدیں شائع کی تھیں۔ مقالات کی جلد اوّل کے صفحے ۲۹۸ پر مولوی صاحب کا یہی مقالہ بعنوان ''نواحِ ٹھٹھہ خانقاہ ابوترابی'' جب شائع ہوا تو تعلیقات میں جو پروف کی غلطیاں تھیں وہ اُس میں درست کی گئی تھیں۔[۳۲]

مولانا قاضی اطہر مبارک پوری کہتے ہیں کہ ''تحفۃ الکرام میں ہے کہ یہ دور عباسیہ میں سندھ کے امیر تھے مگر عباسی دور میں ابوتراب یا تراب نامی کسی امیر کا تذکرہ

نہیں ملتا۔ البتہ محمد بن قاسم کی فوج میں بنو حنظلہ کے تراب نامی ایک مجاہد تھے جو اسلامی فوج کے دریائے سندھ پار کرتے وقت غرق ہو گئے تھے۔ غالب گمان یہ ہے کہ یہ مزار اُن ہی بزرگ کا ہے اور تراب حنظلی یا حاجی ترابی اور ترابی پیر ایک شخص کے مختلف نام ہیں۔"[۳۳]

مولانا دین محمد وفائی (۱۸۹۴-۱۹۵۰ء) نے اپنی کتاب "تذکرہ مشاہیر سندھ" جلد دوم میں لکھا ہے کہ "ابوتراب ایک بڑا بزرگ ہے جس نے بھکر کا قلعہ فتح کیا۔ اس کا مقبرہ گجو میں ہے۔"(۳۴) پھر "تذکرہ مشاہر سندھ" کے جلد سوم میں "محدث ربیع بن صبیح سندھی" کے تحت لکھا ہے کہ "وہ جہاد کے لیے بصرے سے ۱۵۹ ہجری میں سندھ کی طرف نکلا۔ سندھ کے ساحل پر اُترنے کے بعد اُنہوں نے باربد شہر پر قبضہ کیا اور بدھ دھرم کے ایک بڑے بت کو توڑا۔ بصرہ واپس جانے کے لیے تیار تھے کہ سمندر میں جوش تھا، اس لیے وہیں ٹھہر گئے۔ اس دوران میں فوج میں منہ (Mouth) پکنے کی بیماری لگی جس میں ایک ہزار سپاہی فوت ہو گئے جن میں ربیع بن صبیح بھی تھا۔ یہ واقعہ ۱۶۰ ہجری میں ہوا اور ربیع کو سندھ میں ہی دفن کیا گیا۔"[۳۵]

مولانا دین محمد وفائی نے شیخ ابوتراب اور محدث ربیع بن صبیح سندھی کا الگ الگ تذکرہ کیا ہے۔ شیخ ابوتراب کے لیے واضح طور پر لکھا ہے کہ اس کا مقبرہ گجو میں ہے جبکہ محدث ربیع بن صبیح سندھی کے تذکرے میں صرف یہ لکھا ہے کہ منہ کی بیماری یا طاعون کی وجہ سے جو ایک ہزار سپاہی فوت ہوئے تھے ان میں سے ربیع بن صبیح بھی ایک تھا اور یہ کہ اُسے سندھ میں ہی دفن کیا گیا۔ کہاں دفن کیا گیا یہ اُنھوں نے نہیں لکھا۔ لہٰذا مولانا وفائی کے بیانات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ شیخ ابوتراب اور محدث ربیع بن صبیح سندھی دو الگ الگ شخصیتیں ہیں۔ گو کہ مولانا دین محمد وفائی ایک دینی عالم تھے اور "تجرید صحیح بخاری" مؤلفہ امام احمد بن شہاب الدین بن زین الدین زبیدی یمنی کے سندھی مترجم تھے۔ لیکن

اس دور میں شاید اُن کے پاس طبقات ابنِ سعد، تہذیب التہذیب، سیر اعلام النبلاء، تاریخ طبری وغیرہ میسر نہ تھیں لہٰذا وہ محدث ربیع بن صبیح کا تفصیلی احوال نہ دے سکے لیکن اتنا ضرور معلوم تھا کہ وہ محدث تھے۔ لہٰذا مولانا دین محمد وفائی سندھ کے پہلے شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے ربیع بن صبیح کو محدث لکھا۔ گو کہ اُنھوں نے یہ تمام تر معلومات مولانا عبدالحیٔ لکھنوی حسنی (مولانا علی میاں ابوالحسن علی ندوی کے والد) کی کتاب ''نزہۃ الخواطر'' سے لی ہیں۔ اصل میں ''ربیع بن صبیح کی جائے وفات و تدفین سندھ کے بارے میں سب سے پہلے علامہ محمد طاہر گجراتی (۱۵۰۴-۱۵۷۸ء) نے ''المغنی'' میں لکھا۔ ان کے بعد تمام ہندستانی تذکرہ نویسوں نے اسی کو سامنے رکھ کر ان کی جائے وفات سندھ لکھ دی اور کسی نے ابن سعد، بلاذری، طبری، ذہبی، ابنِ اثیر، ابنِ خلدون اور ابنِ عماد حنبلی وغیرہ کی تصریحات پر توجہ نہیں دی۔ چنانچہ علامہ غلام علی آزاد نے ''سبحۃ المرجان فی آثار الہندستان'' ص: ۲۶ میں، مولوی رحمٰن علی نے ''تذکرہ علمائے ہند'' ص۳ میں اور مولانا عبدالحی نے ''نزہۃ الخواطر'' ج۱، ص۳۲ میں امام ربیع کی جائے وفات سندھ ہی بتائی ہے۔'' [۳۶]

''الطبقات الکبریٰ'' جلد سات میں ابنِ سعد (۱۶۸-۲۳۰ھ) ''الربیع بن صبیح'' کے تحت لکھتا ہے کہ ''**ویکنی ابا حفص مولی لبنی سعد بن زید مناۃ بن تمیم، خرج غازیاً الی الهند فی البحر فمات فد فن فی جزیرۃ من جزائر البحر سنة ستین و مائة فی اول خلافة المهدی، اخبرنی بذلک شیخ من اهل البصرۃ کان معه، وکان ضعیفاً فی الحدیث وقد روی عنه الثوری واما عفان فترکه فلم یحدث منه.**'' [۳۷] ''کنیت ابو حفص ہے بنی سعد بن زید مناۃ بن تمیم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ جہاد کے لیے ہند کی طرف بحری سفر پر روانہ ہوئے اور مہدی کے آغازِ خلافت میں ۱۶۰ ہجری میں فوت ہوئے اور سمندر کے جزیروں میں سے کسی ایک جزیرے میں دفن ہوئے۔

مجھے یہ خبر اُس شخص نے دی جو کہ بصرہ کا تھا اور اُس کے (ربیع کے) ساتھ تھا۔ (ربیع) حدیث میں ضعیف تھا۔ یقیناً (سفیان) ثوری آپ سے روایت کرتے ہیں لیکن عفان نے آپ کو ترک کر دیا ہے اور اس سے ہرگز حدیث بیان نہیں کرتے۔"

امام ابنِ جریر طبری اپنی تاریخ میں ۱۶۰ ہجری کے واقعات میں لکھتے ہیں کہ "باربد کی تسخیر: اس سال ۱۶۰ ہجری میں عبدالملک بن شہاب المسمعی اپنے ہمراہی مجاہد رضا کاروں کے ساتھ باربد آیا۔ وہاں پہنچنے کے دوسرے ہی دن اُس نے اہلِ شہر پر دھاوا کر دیا اور دو دن مسلسل اُس پر حملہ کرتا رہا۔ پھر اُنہوں نے منجنیقیں نصب کیں اور تمام آلاتِ جنگ سے حملہ آور ہوا۔ مجاہدین کا یہ حال تھا کہ وہ جوش وخروش سے شریک ہو رہے تھے اور کلامِ پاک اور اللہ کے ذکر سے ایک دوسرے کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ اللہ نے یہ شہر مسلمانوں کے ہاتھوں مسخر کر دیا۔ اُن کا رسالہ ہر طرف سے اس طرح شہر میں آیا کہ اہلِ شہر کو سوائے مندر کے کہیں جائے پناہ نظر نہ آئی۔ مسلمانوں نے روغن نفط چھڑک کر اس میں آگ لگا دی جس سے ہزاروں جل مرے۔ بعض نے نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ اُن سب کو مسلمانوں نے قتل کر دیا۔ اس کے مقابلے میں بیس بائیس مسلمان شہید ہوئے۔ بہت سا مالِ غنیمت ہاتھ لگا۔ جنگ کے بعد سمندر متلاطم ہو گیا۔ چونکہ بحری سفر خطرناک خیال کیا گیا اس لیے مسلمان تلاطم کم ہو جانے کے انتظار میں وہیں مقیم رہے۔ دورانِ قیام میں مسلمانوں کے مُنہ میں ایک مرض "حمام قر" پیدا ہوا جس سے تقریباً ایک ہزار مجاہد جاں بحق ہو گئے۔ اُن میں ربیع بن صبیح بھی تھا۔"[۳۸] حافظ شمسُ الدین ذہبی لکھتا ہے کہ "الربیع بن صبیح. البصری، العابد، الامام، مولیٰ بنی سعد، من اعیان مشایخ البصرة، حدث عن، الحسن، محمد بن سیرین، و عطا بن ابی رباح، و ثابت البنانی، وجماعة. وعنه وکیع، و ابن مهدی، وابودائود الطیالسی، وعلی بن الجعد، وابوالولید، و آخرون. روی عباس، عن ابن معین:

ثقه. وقال احمد: لابأس به. وذكره شعبه فقال: هو عندى من سادات المسلمين." قلت: كان كبير الشان. الا ان النسائی ضعفه--- توفى بالسند سنة ستين مائة."[۳۹]

''الربیع بن صبیح۔ بصری، بڑا عبادت گزار، امام بنی سعد کے آزاد کردہ غلام بصرہ کے مشہور لوگوں میں سے تھے۔ امام حسن بصری، ابنِ سیرین، عطا بن ابی رباح، ثابت البنانی اور بہت سے لوگوں سے اُنھوں نے حدیث روایت کی ہے اور اس سے وکیع، ابن مہدی، ابو داؤد طیالسی، علی بن جعد، اور ابوالولید اور دیگر بہت سے لوگوں نے حدیث روایت کی ہے۔ عباس سے روایت ہے کہ یحییٰ بن ابن معید کہتے ہیں کہ قابلِ اعتماد ہے اور احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ اس میں کوئی برائی نہیں اور شعبہ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ ہمارے نزدیک مسلمانوں کے سردار ہیں۔ (ذہبی کہتا ہے کہ): میں کہتا ہوں کہ وہ بہت بڑی شان والے تھے۔ سوائے اس کے کہ امام نسائی نے اُن کو حدیث میں ضعیف کہا ہے۔ ۱۶۰ ہجری میں سندھ میں فوت ہوئے۔'' پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ''قلت: توفیٰ غازیاً بارض الهند''[۴۰] ''میں کہتا ہوں کہ ارض ہند میں لڑتے ہوئے فوت ہوئے۔'' ہند میں کہاں فوت ہوئے؟ پھر آگے یحییٰ بن معین کے حوالے سے لکھتا ہے کہ ''قال یحییٰ بن معین: كانت وقعة بارنل سنة ستين و مئه، و فيها مات الربيع بن صبيح رحمه الله.''[۴۱] ''یحییٰ بن معین کہتا ہے کہ یہ بارنل کا واقعہ ہے جو کہ ۱۶۰ ہجری میں ہوا جس میں ربیع بن صبیح رحمۃ اللہ فوت ہوا۔'' پھر نیچے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ''كذا الاصل: "بارنل" و فى الطبرى ۸/۱۲۸، و "الكامل" ۶/۴۶: باربد، وهى مدينة كبيرة فى بلاد الهند، وكان المهدى قد سير جيشا فى البحر بقيادة عبدالملک بن شهاب المسمعى.''[۴۲] ''اصل میں ''بارنل'' ہے، اور تاریخ طبری و ''کامل ابن اثیر'' میں یہ ''باربد'' ہے جو کہ ہندستان کا ایک بہت بڑا شہر ہے اور خلیفہ مہدی کے دورِ خلافت

میں ایک لشکر عبدالملک بن شہاب المسمعی کی قیادت میں سمندری جہاد کے لیے بھیجا گیا تھا۔''

یہاں تک کی بحث سے یہ باتیں سامنے آئیں کہ

(۱) خلیفہ مہدی عباسی کے دور میں ایک بحری لشکر جہاد کی غرض سے عبدالملک بن شہاب المسمعی کی قیادت میں ہندستان بھیجا گیا تھا۔

(۲) اس لشکر میں مسلمانوں کی کثرت تھی جن میں ربیع بن صبیح بھی شامل تھا۔

(۳) اس لشکر نے ہندستان کے ایک ساحلی شہر ''بارنل'' یا ''باربد'' پر حملہ کیا تھا۔

(۴) اس حملہ میں مسلمان کامیاب ہوئے تھے۔

(۵) کامیابی کے بعد جب مسلمان لشکر نے واپس بصرہ جانا چاہا تو سمندر میں تلاطم برپا ہو گیا، لہٰذا وہ سمندری تلاطم کم ہونے کے انتظار میں وہیں ''بارنل'' یا ''باربد'' میں ٹھہر گئے۔

(۶) اس انتظار کے دوران ایک منہ کی بیماری ''حمام قر'' اُن میں پیدا ہوگئی جس سے ایک ہزار کے قریب مسلمان لشکری فوت ہو گئے۔

(۷) ان فوت ہونے والوں میں ربیع بن صبیح بھی تھا۔

عرب مؤرخین اور فن اسمائے رجال کے ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ ربیع بن صبیح کی وفات ہندستان کے جزیروں میں سے کسی ایک جزیرے میں واقع ہوئی۔ یحیٰ بن معین اس شہر کا نام جہاں مسلمانوں نے حملہ کیا اور فوت ہوئے ''بارنل'' بتاتا ہے، طبری اور ابنِ اثیر اس کو ''باربد'' کہتے ہیں۔ اصل میں یہ ''باربد'' ہی ہے۔ حافظ شمسُ الدین ذہبی اپنی دوسری مشہور کتاب ''تاریخ الاسلام'' و وفیات المشاہیر والاعلام'' جلد نمبر ۹ میں، یحیٰ بن معین کے حوالے سے ''بارنل'' کے بجائے واضح طور پر ''باربد'' ہی لکھتا ہے۔[۴۳]

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ ''باربد'' کہاں واقع ہے جہاں ربیع بن صبیح کی وفات

ہوئی۔ موجودہ پاکستان بشمول سندھ، کسی بھی سمندری جزیرے کا یا کسی ساحلی شہر کا نام ''بارنل'' یا ''باربد'' نہیں ہے۔ مولانا قاضی اطہر مبارک پوری صاحب کہتے ہیں کہ ''باربد'' بھاڑ بھوت کی تحریف ہے جو گجرات کے ضلع بھروچ میں ایک قدیم تاریخی مقام ہے۔

یہاں مہاراجگان بلہرا کے ماتحت ایک راجہ حکومت کرتا تھا۔ نیز یہاں ایک بہت بڑا بت خانہ تھا۔ اب بھی ہر بارہ سال کے بعد یہاں مذہبی میلہ لگتا ہے۔ غزوۂ باربد کے تفصیل سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ یہ غزوہ بلاد الہند کے ایک شہر باربد میں ہوا جو اُس زمانے میں ایک راجہ کی راجدھانی تھا اور امام ربیع بن صبیح مع دوسرے ایک ہزار مجاہدین اسلام کے اس جگہ یا اسی کے قریب کہیں وبائی مرض میں انتقال کر گئے اور جائے انتقال ہی پر ان کی تجہیز و تکفین ہوئی۔۔۔ مگر ان کے مدفن کی تعیین تاریخی دلائل و شواہد کی روشنی میں نہیں ہو سکی کہ کس مقام پر ان کی وفات ہوئی اور کس جگہ وہ دفن کیے گئے۔ علامہ ابن سعد نے اپنی طبقات میں لکھا ہے کہ: ''**خرج غازياً الى الهند فى البحر فمات فدفن فى جزيرة من جزائر البحر سنة ستين و مائة فى اول خلافة المهدى.**'' ''ربیع غزوہ کے لیے ہندستان گئے اور ۱۶۰ ہجری میں مہدی کے ابتدائی دورِ خلافت میں اسی اثناء میں فوت ہو گئے اور اس کے جزیروں میں سے ایک جزیرے میں دفن کیے گئے۔'' ان تمام مورخوں اور تذکرہ نویسوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ربیع (بن صبیح بصری) کی جائے وفات اور مدفن خود باربد یا اس کے اور سمندر کے درمیان کوئی جزیرہ یا ٹاپو ہے۔ گجرات کے مسلمانوں میں اب تک عام طور سے مشہور ہے کہ بھاڑ؟وت ضلع بھڑوچ (آج کل بھاڑبھوت، نرمدا ندی کے کنارے ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ یہ بھڑوچ شہر سے چار کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ اصل میں یہ مچھیروں کا گاؤں ہے۔ آج بھی یہاں ہندوؤں کا ایک بہت بڑا مندر ہے، جہاں مذہبی میلہ لگتا ہے۔ سکندر) اور راندیر ضلع سورت میں کسی تابعی کا مزار ہے، بلکہ راندیر میں ایک خاص مزار کو تابعی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، مگر

یہ محقق نہیں ہے، ظاہر ہے کہ ان ہی دونوں جگہوں میں سے کسی میں آس پاس حضرت ربیع بن صبیح اور دوسرے ہزاروں مجاہدین اسلام آسودۂ خواب ہیں۔ غالب گمان یہ ہے کہ یہ مقدس خطہ بھاڑ بھوت یا اس کے قریب کہیں واقع ہوگا۔'' [۴۴]

اس بحث سے یہ بات سامنے آئی کہ ربیع بن صبیح کی جائے وفات اور جائے تدفین سندھ کا شہر گجو کا نواحی گاؤں ''کھجی'' نہیں ہے۔ بلکہ یہ کھجی والا شیخ ابوتراب یا حاجی ترابی، دوسری صدی ہجری کا بصرہ کا وہ محدث نہیں ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ احادیث کی فقہی تدوین و ترتیب پر سب سے پہلے اُنہوں نے ہی کتاب لکھی تھی۔ [۴۵] بلکہ گاؤں کھجی، گجو، ضلع ٹھٹھہ، سندھ والا شیخ ابوتراب کوئی اور ہے اور محدث ربیع بن صبیح بصری کوئی اور۔

لیکن یہاں ایک اور پریشانی سامنے آتی ہے کہ ''ربیع بن صبیح کے ہندستان میں فوت ہونے کی ان تمام تصریحات کے علی الرغم امام بخاری نے ان کی جائے وفات سندھ کو بتایا ہے۔ تاریخ کبیر میں فرماتے ہیں: ''مات سنة ستين ومائة بارض السند۔'' تاریخ الکبیر، جلد ۱، قسم اوّل، ص ۲۵۵۔ ''(ربیع) ۱۶۰ ہجری میں سندھ میں مرے۔'' اسی طرح ابنِ حجر نے تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ ''قال محمد بن المثنی وغیرہ مات سنة (۱۶۰) بارض السند۔'' (تقریب التہذیب جلد نمبر ۳، ص ۲۴۸)۔ [۴۶] ''محمد بن المثنیٰ وغیرہ کہتے ہیں کہ وہ ۱۶۰ ہجری میں سندھ میں فوت ہوئے۔''

''ہمارے خیال میں اس کی وجہ یہ ہے کہ تیسری صدی ہجری تک سندھ کہہ کر عرب سیاح و جغرافیہ نویس، گجرات تک کے ساحلی علاقوں اور شہروں کو بھی اس میں شمار کرتے تھے جیسا کہ ابنِ خُرداذبہ (۲۱۱-۳۰۰ ہجری) نے ''المسالک والممالک'' میں گجرات کے کئی شہروں کو سندھ ہی میں شمار کیا ہے۔ (المسالک والممالک، ص ۵۰) حالانکہ عام مؤرخ اور جغرافیہ نویس ہندوستان اور سندھ کو دو الگ الگ تسلیم کرتے تھے اور سندھ کے

بعد قاہل نامی مقام سے ہندستان کی حد بتاتے تھے جس میں گجرات کے ساحلی علاقے پڑتے تھے۔

اسی طرح ہمارے تمام ہندی تذکرہ نویسوں نے حضرت ربیع کی جائے وفات متفقہ طور سے سندھ میں بتائی ہے۔ امام بخاری نے اپنے زمانے کی اصطلاح کے مطابق (کہ گجرات انڈیا تک ساحلی علاقے اور شہروں کو بھی سندھ میں شمار کیا جاتا تھا) ہندوستان کے اس علاقے (باربد) کو سندھ میں شمار کر کے ربیع کی جائے وفات سندھ بتائی۔ مگر ان ہندستانی تذکرہ نویسوں نے ہندستان میں رہ کر اسے سندھ میں بتایا، اس کی وجہ بظاہر یہ غلط فہمی ہے کہ بلادِ ہند سے مراد اُن کے نزدیک ہی کے علاقے تھے اور ان ہی میں کہیں باربد واقع تھا اور دوسری صدی ہجری تک مسلمانوں کی عام سرگرمی کا مرکز سندھ کا علاقہ تھا۔ حالانکہ عرب مؤرخ سندھ اور ہند کو الگ الگ شمار کرتے تھے اور اُنھوں نے غزوۂ باربد میں جو بار بار بلادِ ہند اور سندھ لکھا ہے وہ بلاوجہ نہیں ہے۔ نیز ہندوستان کے ساحلی علاقے اُس زمانے میں مسلمانوں کی سرگرمی سے متاثر ہو چکے تھے۔''[۴۷]

مندرجہ بالا بحث سے معلوم ہوا کہ دوسری صدی ہجری کے بصری تابعی ربیع بن صبیح کی جائے وفات اور تدفین ہندستانی گجرات کے ضلع بھڑوچ کا گاؤں بھاڑبھوت ہے جس کو عربوں نے ''باربد'' لکھا ہے اور یہ کہ تیسری صدی ہجری تک یہ علاقہ عرب مؤرخ اور جغرافیہ نویسوں کے نزدیک سندھ ہی میں شمار کیا جاتا تھا حالانکہ وہ سندھ اور ہند کو الگ الگ ملک بھی سمجھتے تھے۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ دوسری صدی ہجری (۱۶۰ ہجری) تک مسلمانوں کی سرگرمیاں زیادہ تر سندھ ہی میں تھیں۔ لہٰذا گاؤں کھچی، موضع گجو، ضلع ٹھٹھہ سندھ کے حاجی ترابی یا شیخ ابوتراب، ربیع بن صبیح ہرگز نہیں ہیں۔ اگر ہیں تو اس پر مزید تحقیق ہونی چاہیے۔

امام ربیع بن صبیح کے خاندانی حالات، اولاد و احفاد پر مزید مطالعے کے لیے

مولانا قاضی اطہر مبارک پوری کی کتاب ''اسلامی ہند کی عظمتِ رفتہ'' کا مطالعہ مفید رہے گا جس میں صفحہ ۱۳۲ سے لے کر ۱۶۴ تک مواد موجود ہے یا پھر احادیث کی کتب میں ابوابِ تفسیر دیکھنا چاہئیں جہاں ربیع بن صبیح کی مرویات موجود ہیں۔

حوالہ جات:

[۱] سند جا سا موندی بیت، روزنامہ کاوش ۱۷ نمبر ۲۰۱۳ء، سنڈی ایڈیشن، صفحہ ۱۰

[۲] کراچی: تاریخ کے آئینے میں، ص ۵۹۷

[۳] گل گلستان اہلِ بیت، ص ۷-۴۳-۴۷

[۴] تحقیقات و تاثرات، ص ۱۹۷ تا ۲۰۳

[۵] ایضاً، ص ۱۹۷ تا ۲۰۳

[۶] تاریخ اولیاء سندھ، ص ۱۶۶ تا ۱۷۷

[۷] عمدۃ الطالب، ص ۱۱۵-۱۱۹-۱۲۲

[۸] تاریخ طبری اُردو، حصہ ہفتم، ص ۳۲۸

[۹] ایضاً، ص ۳۲۸

[۱۰] ایضاً، ص ۳۲۸ تا ۳۳۲

[۱۱] ایضاً، ۳۳۲-۳۳۳

[۱۲] Al-Mansoorah, p.XI

[۱۳] Arab Kingdom of Al-Mansoorah, p.160

[۱۴] تاریخ اولیاءِ سندھ، ص ۱۷۳

[۱۵] فتح نامہ عرف، چچ نامہ اُردو، ص ۲۵۶

[۱۶] جھانیاں خاندان، ص ۲۵

[۱۷] فتح نامہ عرف چچ نامہ اُردو، ص ۲۵۶

[۱۸] ایضاً، ص ۲۵۶

[۱۹] ایضاً، ص ۲۵۹

[۲۰] ایضاً، ص ۲۵۷

[۲۱] ایضاً، ص ۲۵۹

[۲۲] ایضاً، ص ۲۶۰

[۲۳] سند جی قدیم آثار جی دائریکٹری، ص ۵۴

[۲۴] تحقیقات و تاثرات، ص ۲۰۲

[۲۵] تاریخ الاسلام و وفیات المشاہیر والاعلام، ص ۸، جلد نمبر ۴۔

[۲۶] عمدۃ الطالب، ص ۱۲۴

[۲۷] ایضاً، ص ۱۲۵

[۲۸] تاریخ اولیاء سندھ، ص ۲۱

[۲۹] تحفۃ الکرام سندھی، ص ۵۳۲

[۳۰] ایضاً، ص ۶۹

[۳۱] ایضاً، ص ۶۲۱

[۳۲] صنادیدِ سندھ، ص ۸-۱۰، یہ صفحات مجھے لاہور سے پروفیسر اقبال مجددی سابق صدر شعبۂ تاریخ گورنمنٹ اسلامیہ کالج، سول لائنز، لاہور نے نہایت کمال مہربانی سے پنجاب یونیورسٹی لاہور کی لائبریری سے فوٹو اسٹیٹ کروا کر ارسال کیے اور مقالات کی جلد اوّل سے تعلیقی کتبے کی غلطیاں درست کروائیں۔

[۳۳] خلافتِ اُمویہ اور ہندوستان، ص ۳۸۱

[۳۴] تذکرہ مشاہیر سندھ، سندھی جلد نمبر ۲، ص ۱۸۹-۱۹۰

[۳۵] ایضاً، جلد نمبر ۳، ص ۲۵۴-۲۵۵

[۳۶] اسلامی ہند کی عظمتِ رفتہ، ص ۱۵۹-۱۶۰

[۳۷] الطبقات الکبریٰ، جلد نمبر ۷، ص ۲۷۷

[۳۸] تاریخ طبری، حصہ ہفتم اُردو، ص ۴۳۱

[۳۹] سیر اعلام النبلاء، جلد نمبر ۷، ص ۲۸۷-۸۸

[۴۰] ایضاً، ص ۲۸۹

[۴۱] ایضاً، ص ۲۸۹

[۴۲] ایضاً، ص ۲۸۹

[۴۳] تاریخ الاسلام و وفیات المشاہیر و الاعلام، جلد نمبر ۹، ص ۲۵۹

[۴۴] اسلامی ہند کی عظمت رفتہ، ص ۱۵۶-۱۵۹

[۴۵] ایضاً، ص ۱۴۵-۱۴۶

[۴۶] ایضاً، ص ۱۵۹

[۴۷] ایضاً، ص ۱۵۹-۱۶۰

مصادر و مراجع

(۱) ''سند جا ساموندی ہیت: کراچی، جی پیتن جو سفر: ۲۰۔ سید عبداللہ شاہ غازی، عبداللہ الاشتر نہ آہی۔'' گل حسن کلمتی، کاوش ڈنیا، آچر ۱۷ نومبر ۲۰۱۳ء، صفحو: ۱۰، حیدرآباد

(۲) کراچی: تاریخ کے آئینے میں، محمد عثمان دموھی، انڈس پبلی کیشنز، کراچی ۱۹۹۶ء

(۳) گل گلستان اہل بیت: سید محمد جمال الدین کاظمی، کراچی، ۱۹۹۴ء

(۴) تحقیقات و تاثرات: تاریخی، دینی، علمی و تاثراتی مقالات و مضامین: ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی (پیدائش ۱۹۲۸ء)، ادارۂ علم وفن، کراچی، ۲۰۰۰ء

(۵) جہانیاں خاندان: ڈی۔جی۔ متائی، سند الاجی، جامشورو، ۱۹۷۲ء

(۶) فتح نامہ سندھ عرف چچ نامہ: مصحح محقق اور شارح ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ، اُردو مترجم: اختر رضوی، سندھی ادبی بورڈ، جامشورو، اشاعت سوم، ۲۰۰۸ء

(۷) عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب: جمال الدین احمد بن علی الحسینی المعروف بابن عنبہ (۷۴۸-۸۲۸ھ) تحقیق سید مہدی رجائی، مکتبۃ سماحۃ آیۃ اللہ العظمیٰ مرعشی، نجفی

کبریٰ، خزانۃ العالمیۃ للمخطوطات الاسلامیہ، قم ایران، اشاعت دوم ۲۰۱۲ء۔
(۸) تحفۃ الاکرام: میر علی شیر قانع ٹھٹھوی (۱۱۴۰-۱۲۰۳ھ) مرتب ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ، سندھی ترجمہ: مخدوم امیر احمد، سندھی ادبی بورڈ، جامشورو، اشاعت سوم ۱۹۸۹ء
(۹) Al-Mansoorah: A Forgotten Arab Metropolis in Pakistan: Dr. Ahmad Nabi Khan, Department of Archaeology & Museums, Government of Pakistan, Karachi, 1999.
(۱۰) Arab Kingdom of Al-Mansoorah in Sindh (Ph.D. Thesis), Dr. Mumtaz Hussain Pathan, Institute of Sindhology, Jamshoro, January, 1974.
(۱۱) اسلامی ہند کی عظمتِ رفتہ: مجموعہ مقالات: مولانا قاضی اطہر مبارکپوری، نفیس بکس، ۱۹۸۹ء
(۱۲) تہذیب التہذیب: ابنِ حجر عسقلانی، مجلس دائرۃ المعارف جلد نمبر ۳، النظامیہ، حیدر آباد دکن، ۱۳۲۵ ہجری۔
(۱۳) الطبقات الکبریٰ، جلد نمبر ۷، ابنِ سعد، دار صادر، بیروت لبنان، (سال ندارد)۔
(۱۴) تاریخ الاسلام و وفیات المشاہیر الاعلام: حافظ شمسُ الدین ذہبی، جلد نمبر ۹ المکتبۃ التوفیقیۃ، قاہرہ، مصر
(۱۵) سیر اعلام النبلاء، جلد نمبر ۷: حافظ شمسُ الدین ذہبی، تحقیق علی ابوزید، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان ۲۰۰۱ء
(۱۶) تاریخ طبری، حصۂ ہفتم: عباسی دورِ حکومت (۱۳۲ تا ۱۷۵ ہجری) خلیفہ ابوالعباس السفاح تا خلیفہ الہادی، ابنِ جریر طبری، اُردو ترجمہ سید محمد ابراہیم، ایم اے ندوی، ترتیب و تبویب: شبیر حسین قریشی، ایم اے، نفیس اکیڈمی، کراچی، اگست ۱۹۸۶ء
(۱۷) خلافت اُمویہ اور ہندوستان، مولانا قاضی اطہر مبارکپوری، اسلامک پبلشنگ ہاؤس، لاہور-۲، (۱۹۷۵ء)

(۱۸) تذکرۂ مشاہیر سندھ، جلد دوم، مولانا دین محمد وفائی، سندھی ادبی بورڈ، جامشورو، ۱۹۸۵ء۔

(۱۹) تذکرۂ مشاہیر سندھ، جلد سوم، مولانا دین محمد وفائی، سندھی ادبی بورڈ، جامشورو، ۱۹۸۷ء۔

(۲۰) صنادید سندھ (بالتصویر)، مولوی محمد شفیع، ۱۹۷۱ء

(۲۱) سند جی قدیم آثارن جی دائرکٹری: سیّد حاکم علی شاہ بخاری، محمد عثمان میمن، سندی لینگویج اتھارٹی، حیدرآباد، سندھ، ۲۰۰۸ء

(۲۲) مکلی نامہ، میر علی شیر قانع ٹھٹھوی، تصحیح و حواشی پیر حسام الدین راشدی، سندھی ترجمہ: سندھی ادبی بورڈ، جامشورو، اشاعتِ دوم، ۱۹۹۴ء۔ حیرت کی بات ہے کہ مکلی نامہ کا اُردو ترجمہ ڈاکٹر نواز علی شوق نے کیا اور سندھی ادبی بورڈ جامشورو نے اگست ۲۰۱۱ء میں شائع کیا ہے۔ لیکن صفحہ ۱۸۸ پر تعلیقی کتبے میں جو سندھی مکلی نامہ میں غلطیاں تھیں وہی اُردو ترجمہ میں بھی ہیں۔

(۲۳) نتو- صدین کان (تاریخ) رسول بخش تمیمی، روشنی پبلی کیشنز، کنڈیارو/ حیدر آباد، اشاعتِ اوّل ۲۰۰۳ء۔ اس کتاب میں صفحہ ۳۷ پر تمیمی صاحب نے مکلی نامہ صفحہ ۱۰۶ اور ۱۰۷ کا حوالہ دیکر لکھا ہے کہ شیخ ابوتراب کے مزار پر تعلیقی کتبہ فارسی میں لکھا ہوا ہے کہ ''بقول حسام الدین راشدی کے سندھ پراونشل میوزیم میں موجود ہے۔'' مکلی نامہ صفحہ ۱۰۶-۱۰۷ سندھی ترجمہ میں یہ بات پیر حسام الدین راشدی نے نہیں لکھی ہے۔

(۲۴) تاریخ اولیاء سندھ۔ (منتخب) آفتاب ابڑو۔ محکمۂ ثقافت حکومتِ سندھ، ۲۰۱۲ء یہ کتاب اخباروں اور رسالوں میں جو پاپولر مواد شائع ہوتا ہے، اُس پر مشتمل ہے۔